مطالعہ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۂ یونس

آیات ۵۰ ۔ ۵۳

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہیے کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا کہ اللہ کا عذاب خواہ دن کے وقت آئے خواہ رات کو، آخر وہ ایسی کون سی چیز ہے جس کے لیے مجرم جلدی مچائیں، تو کیا جب وہ آفت واقع ہو ہی جائے گی تب تم مانو گے ؟ (اس وقت تو صاف کہہ دیا جائے گا) کیا اب ایمان لاتے ہو ؟ حالانکہ پہلے تم خود اس کے لیے جلدی مچاتے رہے ! اُس وقت ظالموں کے کان کھول دیئے جائیں گے۔ اب چکھو ہمیشہ کے عذاب کا مزہ ! تمھیں بدلہ ملے گا اُسی کمائی کا جو تم کرتے رہے تھے ! اور آپؐ سے (بن بن کر) پوچھتے ہیں : کیا یہ واقعی شدنی امر ہے ؟ کہہ دیجئے : ہاں، مجھے اپنے رب کی قسم ہے، یہ واقع ہو کر رہے گا اور تم کسی طرح بھی اسے روک نہیں سکتے !"

یہ بات اصولی طور پر سمجھ لینی چاہیے کہ جب بھی کوئی رسول کسی قوم یا قریہ کی طرف مبعوث ہوا اس نے لوگوں کو توحید، آخرت اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ساتھ ہی یہ خبر بھی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

دی کہ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو نہ صرف یہ کہ تم آخرت کے ابدی و سرمدی عذاب میں مبتلا ہو گے بلکہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ اس لیے کہ جب رسول قولاً و عملاً دعوت و تبلیغ کا حق ادا کر دے اور قوم پر پوری طرح حُجّت قائم کر دے اور اس کے باوجود وہ قوم ایمان نہ لائے تو گویا وہ اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیتی ہے کہ اس میں حق کو قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت اور اصلاح پذیری کا مادّہ ہی سرے سے باقی نہیں رہا۔ گویا اب اس کی حیثیت جسدِ انسانی کے ایسے عضو کی ہے جو بالکل گل سڑ گیا ہو اور اسے کاٹ کر پھینک دینا ہی پورے جسم کی عافیت کے لیے لازمی ہو گیا ہو۔ اب ظاہر ہے کہ آخرت کے عذاب کا معاملہ تو ہے ہی قیامت کے بعد کا، خود دنیا میں ہلاکت و بربادی کی سزا یا عذابِ استیصال بھی اُس وقت آتا ہے جب رسول کو تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ایک مدّت گزر چکتی ہے اور قوم پر اتمامِ حُجّت کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ اس درمیانی عرصے کے دوران رسولوں کے مخالفین و معاندین عذاب کی اس دھمکی کو تمسخر و استہزاء اور طعن و طنز کا موضوع بنا لیتے ہیں اور جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کی ڈھٹائی اور جسارت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس قسم کے فقرے بھی ان کی زبانوں سے نکلنے لگتے ہیں کہ "کہاں ہے وہ تمہارا عذاب ؟ آخر وہ آ کیوں نہیں جاتا ؟ ہم تو تمہاری تکذیب کر چکے، اب اس عذاب میں کیوں دیر ہو رہی ہے !" ۔ اور "تمہاری دھمکیاں سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں اور تمہاری اس خالی خولی دھونس سے ہم تنگ آ چکے ہیں، اگر تم واقعی سچے ہو تو پھر دیر مت کرو اور وہ عذاب لے آؤ !" چنانچہ آیاتِ سابقہ میں اُن کے بعض ایسے ہی جملے نقل بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً آیت ۴۸ میں فرمایا: "اور یہ لوگ کہتے ہیں آخر اس دھمکی کا ظہور کب ہو گا ؟" اور آیت ۴۹ میں جواباً کہلوایا: "ہر امّت کی مہلت کے خاتمے کا ایک وقت معیّن ہے، جب وہ وقت آ جاتا ہے تو گھڑی بھر کی بھی نہ تاخیر ہو سکتی ہے نہ تقدیم !" اسی ضمن میں ذرا ہی پہلے آیت ۴۶ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ بھی فرمایا جا چکا ہے کہ: "(اے نبیؐ!) یہ بھی ممکن ہے کہ جس عذاب کی دھمکی ہم انہیں سنا رہے ہیں اس کا کچھ حصّہ آپ کو بھی دکھا دیں یعنی آپ کی حیاتِ دنیوی کے دوران ہی وہ عذاب اُن پر نازل ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو وفات دے دیں اور عذابِ موعود اس کے بعد نازل ہو !" —— اب آیاتِ زیرِ بحث میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

عذاب رات کے وقت آئے یا دن کے وقت اُس سے آخر کیا فرق واقع ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے، اس سے بچا کیسے جائے اور تلافیٔ مافات کے ذریعے رحمتِ خداوندی کو کیسے پکارا جائے؟ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بدبخت نے اسی تمسخر و استہزاء کے انداز میں کہا ہوگا کہ "کیوں جی! وہ آپ کا عذاب کب آئے گا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ رات کے وقت تشریف لے آئے اور ہم اُس کا شایانِ شان استقبال بھی نہ کرسکیں!" جواب میں بڑے حسرت آمیز انداز میں فرمایا کہ عذاب دن کو آئے یا رات کو، یہ بدبخت یہ نہیں سوچتے کہ جس کی جلدی یہ اپنی نادانی و جہالت میں مچاتے ہوتے ہیں وہ ہے کس درجہ خوفناک اور بھیانک چیز! جب وہ مصیبت آدھمکے گی تو یہی لوگ جو اِس وقت غرور او تکبّر میں اس درجہ بڑھ گئے ہیں کہ اللہ کے کلام اور اس کے رسولؐ کا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں آتے، چلّا چلّا کر کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور گڑگڑاتیں گے کہ کسی طرح انہیں اس عذاب سے چھٹکارا دلا دیا جائے۔ اُس وقت کہا جائے گا کہ اب ایمان لانا قطعاً مفید نہیں۔ اب تو جس چیز کی جلدی تم مچا رہے تھے اُس کا مزہ چکھو! اور یہ ہرگز تم پر ظلم یا زیادتی نہیں ہے بلکہ ٹھیک ٹھیک بدلہ اور جزا ہے تمہارے اعمال کی، گویا تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے جو تمہارے سامنے آرہی ہے۔

آخری آیت میں ایک عجیب حقیقت بیان ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ان میں سے بعض نسبتاً جری لوگ بعض مواقع پر طنز و استہزاء کے انداز کو چھوڑ کر بظاہر پوری سنجیدگی سے اور گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا کرتے تھے کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا واقعی جو تم کہہ رہے ہو، سچ ہے اور جن باتوں کی تم خبر دے رہے ہو وہ واقعی پیش آنے والی ہیں؟" اُن کا یہ انداز دراصل ایک دودھاری تلوار کے مانند تھا جس سے ایک جانب تو وہ اپنے عوام کو یہ باور کراتے تھے کہ ہمارے یہ سردار اور سردھرے اس معاملے میں پوری طرح سنجیدہ ہیں اور واقعۃً حقیقت ہی کے متلاشی ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی دعوت کے بارے میں انہیں حقیقی شکوک و شبہات لاحق ہیں! اور دوسری جانب وہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک نفسیاتی حربہ آزماتے تھے کہ اس طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوٹوک سوال کرنے سے ممکن ہے کہ آنحضورؐ کی قوتِ ارادی کو توڑنے یا کمزور کرنے میں کامیابی حاصل ہو جائے۔ ان کے اس حربے کا ذکر وضاحت کے

© rasailojaraid.c

ساتھ سورۃ ن یا سورۃ القلم کے آخر میں ہوا ہے کہ: "وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ" یعنی "اُن کافروں کی تو یہی کوشش ہے کہ متزلزل کر دیں آپ کو (اے نبیؐ!) اپنی نگاہوں سے"! ان کے اس حربے کا جواب اس مقام پر ترکی بہ ترکی دلوایا گیا ہے کہ (اے نبیؐ! آپ پوری طرح ڈٹ کر اور کامل وثوق و یقین کے ساتھ) جواب دیں کہ یقیناً مجھے اپنے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ کلام بھی برحق ہے جو میں پیش کر رہا ہوں اور وہ واقعات و حوادث بھی بالکل حتمی اور یقینی، شدنی اور اٹل ہیں جن کی مَیں خبر دے رہا ہوں اور اچھی طرح کان کھول کر میرا چیلنج سُن لو کہ تم نہ مجھے میرے مشن میں ناکام کر سکو گے، نہ اس کلام کا مقابلہ کر سکو گے جسے میں پیش کر رہا ہوں اور نہ ان حالات و واقعات کی رفتار روک سکو گے جو تمہارے کفر و تکذیب اور اعراض و انکار کے باعث حرکت میں آ چکے ہیں۔

اس ضمن میں یہ حقیقت ذہن میں مستحضر رکھنی چاہیے کہ جب قرآنِ حکیم میں مستقبل میں پیش آنے والے حالات و واقعات کے ضمن میں کوئی بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلفیہ و قسمیہ کہلوائی جاتی ہے تو اس کی پشت پر اصل اہمیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلّمہ صداقت و امانت اور آپؐ کی بے داغ سیرت و کردار کی ہوتی ہے یعنی یہ کہ وہ ذاتِ مطہّر و مقدس جس نے کبھی کسی انسان کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب نہ کی، کیا وہ خدا پر جھوٹ جڑے گا اور اس شدّ و مدّ کے ساتھ کہ اس پر اسی کی قسم بھی کھائے گا؟ اسی کی ایک مثال سورۃ التغابن میں ہے۔ وہاں پہلے یہ فرمایا کہ: "زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا" یعنی "کافروں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا تھا کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ نہ اٹھایا جا سکے گا!" اور پھر آنحضورؐ کو حکم ہوا: "قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ" یعنی "کہہ دیجیے (اے نبیؐ!) کیوں نہیں، میں اپنے ربّ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم لازماً اٹھائے جاؤ گے اور پھر تمہیں لازماً جتلا دیا جائے گا جو کچھ کہ تم نے کیا ہو گا۔ اور یہ سب اللہ کے لیے بہت آسان ہے"!

ظاہر ہے کہ مستقبل کے واقعات خواہ وہ اس دنیا سے متعلق ہوں خواہ آخرت سے، انسان کو چشمِ سر تو نہیں دکھلائے جا سکتے، اُن کا مشاہدہ یا تو بچشمِ عقل و قلب ممکن ہے یا پھر کسی چشم دید گواہ کی گواہی کے اعتماد پر! اسی لیے اللہ تعالیٰ نبیوں اور رسولوں کو ملکوتِ ارض و سما کا مشاہدہ کراتا ہے اور عالمِ غیب کی سیر کراتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو جو خبر دیں وہ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ دیں اور کسی جھٹلانے والے کا جھٹلانا یا بچلانے والے کا بچلانا ان پر مؤثر اور کارگر نہ ہو سکے۔ گویا ع "پیمبر ہر چہ گوید دیدہ گوید!"

فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c